Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

نقش کف پا تنقیدی مطالعہ
NAQSH-E-KAFFE-PA CRITICAL STUDY

روبینہ یاسمین[1]، سمیرا شفیع[2]،ڈاکٹر زینت افشاں[3]

Abstract:

Prof. Jilani Kamran (1926 - 2003) was a prominent Urdu poet, researcher, critic. Poets adopted different genres of speech to express their views, of which modern poetry is very important. Long poems have a unique place in many types of modern poetry. The tradition of a book poem in Urdu literature is very old. In a book poem, a long poem would be written under the same title on a particular subject. "Naqsh-e-Kaf-e-Pa" is a long poem by Jilani Kamran. This article presents a research and critical overview of this poem.

Key words: Prof. Jilani Kamran ,Urdu poetry, Characterization in Urdu Poetry,long poems, A book poem, Naqash- e- Kafe-e-Pa.

اردو شاعری ہر زمانے میں اپنے خد وخال بدلتی رہی ہے۔ یہ تبدیلیاں فکری اور فنّی، اسلوبیاتی اور ہیئتی تقریباًہر لحاظ سے ہیں۔ادبی شعور اور شعری رجحان میں تبدیلی کی بڑی وجہ سیاسی اور سماجی سطح پر محرکات کی کار فرمائی ہے ۔ اردو شاعری میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی تبدیلیاں آئیں۔شعرانے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے مختلف اصناف سخن کو اپنایا جس میں جدید نظم کو بہت اہمت حاصل ہے۔ نظم جدید کی بہت سی اقسام میں طویل نظم اپنا منفرد مقام رکھتی ہے اُردو میں طویل نظم اپنے جدا گانہ اسلوب اور شگفتہ انداز بیاں کے باوصف ہر دلعزیز ہے۔اِس صنف نے قاری کو شتابی کے بجائے مکمل ٹھہراؤ اور اطمینان عطا کیا ہے۔طویل نظم نے شاعر کو اظہار کے لیے وسیع میدان عطا کیا ہے۔اسی کی بدولت فرد اپنے تہذیبی و ثقافتی ورثے کی کڑیوں کو مربوط کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

کردار بنیادی طور پر افسانوی ادب کی اصطلاح ہے۔کشاف تنقیدی اصطلاحات میں کردار کی تعریف اس طرح بیان ہوئی ہے:

”کہانی کے واقعات جن افراد قصہ کو پیش آتے ہیں، انہیں اصطلاح میں کردار کہتے ہیں۔“(۱)

اردو نظم میں کردار نگاری کے ابتدائی نقوش واسوخت، شہر آشوب، قصیدہ، مثنوی اور ریختی میں ملتے ہیں اردو نظم نگاروں میں نظیر اکبر آبادی کو کرداری نظموں میں اہم مقام حاصل ہے۔ علامہ اقبال،حالی جوش، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی نے بہت معیاری طویل نظمیں لکھی ہیں۔ان میں سے ایک اہم نام جیلانی کامران کا ہے۔

جیلانی کامران نقاد، شاعر، معلم اور ادیب ہیں۔ آپ پونچھ (کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 1947ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے انگریزی کیا۔1957ء میں انگریزی ادبیات میں ایم آنرز کیا پھر ایڈنبرگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ وطن واپسی پر گورنمنٹ ایف سی کالج میں بطور استاد ان کی

---

[1] پی ایچ ڈی اسکالر جی سی ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
[2] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
[3] صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد

تقرری ہوئی درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف پر بھی توجہ دیتے رہے۔ڈاکٹر انور سدید نے جیلانی کامران کے متعلق ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے کہ آپ کی نظموں کو سماجی رشتوں اور کائناتی مسائل کی دریافت میں مذہبی آگہی کا شرف حاصل ہے۔بقول ڈاکٹر انور سدید:

"جیلانی کامران نے سماجی رشتوں اور کائناتی مسائل کی دریافت میں مذہبی آگہی کو استعمال کیا۔ ان کی نظموں میں باہر کی دنیا باطن کی روشنی سے مستنیر ہوتی ہے۔ "نقش کف پا" اور "استانزے" میں انھوں نے عشق کے استعارے سے برکت اور خیر کی قدروں کو اجاگر کیا ہے۔ ان کا تخلیقی عمل سیال زبان کے وسیلے سے اظہار کی راہ پاتا ہے لیکن بعض اوقات ترسیل نامکمل رہ جاتی ہے"(۲)

نئی شاعری کے حوالے سے جیلانی کامران کا نام اہم شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ان کو نئی نظم کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں نئی تنقید کے میدان میں بھی اہم مقام حاصل ہے۔شاعری میں ان کا اہم موضوع جدید دور کا انسان اور اس کی زندگی کے مسائل ہیں۔بقول ڈاکٹر سعادت سعید:

"۔۔۔۔۔انہوں نے نئی انسانی اقدار کی تخلیق کو احسن جانا۔زندگی کے بارے میں منطقی اور فرار رویوں کو فروغ دینے کی بجائے وہ مثبت تصورات کی تلاش میں رہے۔ان کا کہنا ہے کہ نئی شاعری کے احساسِ مرگ کی ساری اذیت قومی اور مذہبی شخصیت کی دریافت اور بازیافت سے ختم ہو سکتی ہے۔"(۳)

جیلانی کامران انسانی زندگی کے تمام مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں۔وہ انسانی دکھ اور تکلیف کو اپنی نظموں میں نہایت خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں۔ جیلانی کامران نے نئی نظم میں کردار نگاری کی تکنیک کو ایک نئی سمت دی۔ نئی نظم کی سمت کے تعین کے ساتھ ساتھ جیلانی کامران نے "نقشِ کفِ پا" کی صورت میں جدید اردو نظم میں کردار نگاری کی تکنیک کو بھی ایک نئی جہت عطا کی ہے۔

اردو ادب میں یک کتابی نظم کی روایت بہت پرانی ہے۔ہر زبان میں شاعری کو کلیات اور شعری مجموعوں اور دیوان میں یکجا کیا گیا ہے۔لیکن یک کتابی نظم میں کسی خاص موضوع کے تحت ایک ہی عنوان کے تحت طویل نظم لکھی جاتی ہے ۔یہ نظم ایک کتاب پر مشتمل اور متوسط اور طویل طور پر اپنا وجود رکھتی ہیں اور خاص طور پر اس کو نظم میں شمار کیا جاتا ہے۔نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے اس کو سامنے رکھ کے ہی نظم لکھی جاتی ہے۔یک کتابی نظم میں شاعر کو اپنے موضوع پر لکھنے کا مکمل موقع ملتا ہے۔"نقشِ کفِ پا" جیلانی کامران کی طویل نظم ہے۔یہ نظم یورپی اور عجمی روایات کے حسین امتزاج میں زمینی آشوب کی داستان بیان کرتی ہے۔شاعر فکری اور جذباتی استفسارات کے ذریعے احساسات کی ترسیل کرتا ہے۔اس حوالے سے احتشام حسین لکھتے ہیں:

"نظم میں کردار اور مکالمے کی فضا نظم کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔تمام کردار علامتی ہیں۔ نظم نگار نے مختلف کرداروں کی داخلی کش مکش کے ذریعے اس کرب کو قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جس کا منبع زوال پذیر تہذیبی و معاشرتی اقدار اور صنعتی تہذیب کی جبریت ہے۔"(۴)

نظم کے آغاز سے پہلے شاعر نے منظر بیان کیا ہے اور پھر نظم میں کرداروں کے مکالمات کا آغاز ہوتا ہے۔جیلانی کامران نے "نقشِ کفِ پا" کے پیش لفظ میں اپنی اس نظم کو ڈرامائی نظم کہنے کی بجائے طویل نظم کہا ہے۔جیلانی کامران نظم کے کرداروں کو ڈرامے کے کردار نہیں کہتے ان کا موقف ہے کہ ان میں وہ مخصوص رنگ نہیں ہے جو ڈرامے کے چلتے پھرتے اور متحرک کرداروں کا ہوتا ہے۔ان کرداروں کی تخلیق صرف نظم کے مضمون اور موضوع کے مرکزی نکات کی وضاحت کے لیے ہے۔جیلانی کامران کے کردار مکالمات کے ذریعے نظم میں تلخ حقائق پیش کرتے ہیں لیکن یہ کردار منفی رخ اختیار نہیں کرتے۔اپنے کرداروں کی اسی خوبی کے متعلق جیلانی کامران خود بھی لکھتے ہیں:

"ہم نے اپنی نظموں کے کرداروں کو منفی جذبات کی قید سے آزاد کرانے کی کوشش کی ہے اس لیے کہ ایسے جذبات و احساسات انسانی زندگی پر اپنی گرفت کے باعث بے معنی اور بے مقصد ہوتے ہیں۔کا خیر مقدم کیا گیا ہے جسے زمانے کی نمائندگی کے لیے مددگار سمجھا گیا ہے۔" (۵)

عارفہ شہزاد نے جیلانی کامران کے نام کو "جدید اردو شاعری کے اہم کرداری نظم نگار" کے تحت اپنی کتاب جدید اردو شاعری میں کرداری نظموں میں استعمال کیا ہے۔[۶]

ڈاکٹر طارق ہاشمی نے اپنی کتاب "جدید نظم کی تیسری جہت" میں جدید اردو نظم میں کردار نگاری کا مطالعہ پیش کیا ہے اور ان شاعروں کے نام بھی تفصیلاً بیان کیے ہیں جنہوں نے جدید اردو نظم میں کردار نگاری پر زور دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> "پہلے دور میں اختر حسین جعفری، محمد صفدر سید، وزیر آغا اور جیلانی کامران کی کرداری نظموں کو متعارف کروایا ہے۔ جیلانی کامران کی کرداری نظموں کا تجزیہ بڑے مفصل انداز میں پیش کیا ہے۔"[۷]

جیلانی کامران کے نظمیہ کرداروں میں ڈاکٹر طارق ہاشمی نے جو تحقیقی نقطہ واضح کیا ہے وہ یہ ہے کہ جیلانی کامران کی نظموں کے کرداروں میں اسلامی تہذیب کی بازیافت اور روحانی قدروں کے کھو جانے کا نوحہ نمایاں ہے۔

جیلانی کامران نے تنقید بھی کی ہے اور وہ ایک نظم نگار کی حیثیت سے بھی سامنے آئے ہیں ان کی نظم نگاری میں ملک کے ساتھ محبت بھی ہے اور دوسری طرف اسلامی تہذیب کی بازیافت بھی ملتی ہے۔ جیلانی کامران نے اخلاقی اور روحانی قدروں کے ختم ہونے کا ماتم شدت سے کیا ہے "نقش کف پا" کے کردار عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور موت سے فرار چاہتے ہیں وہ جسم کی تسخیر چاہتے ہیں اور روح سے منحرف ہیں پاکستان کے مشہور نقاد اور افسانہ نگار رشید امجد نے اپنے مضمون "نئی نظم کی باتیں" میں اردو نظم کے تین اسالیب کی بات کی ہے۔ جیلانی کامران، وزیر آغا اور افتخار جالب کی نظمیہ اسالیب کو تین حصوں سے تعبیر کرتے ہوئے انہوں نے جیلانی کامران کے بارے لکھا ہے کہ:

> "ان کے اسلوب پر پنجابی کے لوک گیت اور کلاسیکل نظموں کا گہرا اثر ہے وہ کسی حد تک وارث شاہ اور دوسرے صوفی شعراء سے بھی متاثر نظر آتے ہیں بعض اوقات ان کی نظموں میں پنجابی لہجہ بھی جھلکنے لگتا ہے۔"[۸]

نقش کف پا ایک ڈرامائی نظم کی بجائے ایک لمبی نظم ہے کیونکہ جب ہم ڈرامے کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمارا ذہن فوراً اسٹیج اور اداکاری کی طرف چلا جاتا ہے اور ایک ڈرامائی نظم شاعری کی اصطلاح سے خارج ہو کر ایسے فن کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے جس کے لئے شاعری کی صنف استعمال نہیں کی جاتی۔ "نقش کف پا" کے پیش لفظ میں اس کی وضاحت کچھ اس انداز سے کی ہے۔

> "نقش کف پا کے کردار ڈرامے کے کردار نہیں ہیں کیونکہ ان میں وہ مخصوص رنگ نہیں ہے جسے ہم ڈرامے کے زندہ کرداروں کے حوالے سے جانتے ہیں۔ اگر آپ میری رائے پوچھیں تو میں کہوں گا کہ اس نظم کے کردار اصل میں ایسے مختلف مرکزی نقطے ہیں جن کے ذریعے نظم کے پورے مضمون کی وضاحت ہوتی ہے۔ اگر یہ کردار حذف کر دیے جائیں تو نقش کف پا کا موضوع اپنے مرکزی حوالے کھو دے گا اور موضوع کی پیشکش میں دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"[۹]

"نقش کف پا" ایک طویل نظم ہے یہ نظم زرین آرٹ پریس لاہور سے پہلی دفعہ 1962 میں شائع ہوئی اور یہ ایک کرداری نظم کی اصطلاح سے تعلق رکھتی ہے اس نظم کے پانچ کردار ہیں جن کے گرد یہ ساری نظم گھومتی ہے یہ کردار قیدی، کورس اور لڑکا، سایہ اور عورت کے ہیں۔ نظم میں قیدی کا کردار روز مرّہ کے مسائل میں پھنسے ہوئے معاشرے کے ہر فرد کا کردار ہے۔ اندھے مردوں کا کورس صنعتی زندگی کی کشاکش میں مبتلا انسانوں کی علامت ہے۔ لڑکا امید کی کرن ہے۔ قیدی کو کردار زندگی کے تقاضوں اور مقاصد سے آشنا ہے لیکن وہ اپنے اردگرد اجنبیت اور بیگانگی کی فضا دیکھتا ہے اور ایک نامعلوم کرب کا شکار ہے۔ نظم کا اگلا کردار ایک سائے کا ہے۔ یہ سایہ قیدی کو ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب کا درس دینا چاہتا ہے۔ مگر قیدی کہتا ہے الفاظ جھوٹ بولتے ہیں۔ میری زندگی راکھ میں ڈھل چکی ہے اور روشنی مجھ سے دور ہے۔

نظم "نقش کف پا" کی ابتداء نثر کی ہیئت میں ہوتی ہے۔ جیلانی کامران نے اس نظم کی ابتداء بہت خوبصورت انداز میں کی ہے:

> "رات ایک گہرا سانس لیتی ہے اور صحرا نمودار ہوتا ہے جس میں ایک بہت تنگ وادی ہے۔ وادی کے دھانے پر بوڑھے درویش ہیں۔ ایک طرف جہاں وادی کا پھیلاؤ شہروں کے خاکے میں مل جاتا ہے وہاں

اندھے مردوں کا کورس کھڑا ہے۔ صحرا کے دل میں سرو کا درخت ہے۔ دریا جو شہروں سے وادی کی طرف آتا ہے سرخ پانی کا دریا ہے۔ وادی، صحرا اور شہروں کے خاکے کے سنگم پر قیدی ہے جو اجنبی اور انجانی سوچ میں گرفتار ہے۔ نظم کا سارا مضمون اس منظر کے وسط سے پیدا ہوتا ہے۔ آسمان دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ساری باتیں زمین کی باتیں ہیں"(۱۰)

قیدی کے کردار کو جیلانی کامران نے تقریباً 13 بار استعمال کیا ہے اور کورس کے کردار کو آٹھ بار دہرایا گیا ہے اور لڑکے کے کردار کو پندرہ بار دہرایا گیا ہے اور شاعر نے اس نظم میں گیارہ چھوٹے نثریہ پیرے استعمال کئے ہیں اور یہ نظم اس طرح ٹوٹل 48 حصوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ قیدی کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس دوسرے حصے میں جیلانی کامران نے قیدی کی موت اور عمر کے فرق کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے شاعر نے ہر چیز کے غم کو سختی سے تشبیہ دی ہے۔ جیسا کہ جیلانی کامران تحریر کرتے ہیں:

کون سی خاک کے رہگیر ہیں؟ میرے بازو
کون سے جسم کی تائید ہیں؟ لیکن بازو
پاؤں اور آنکھ، میری پلکیں، ناخن
ناک اور کان، مرا جسم، مرے انسا۔۔۔۔
آخرش موت ہیں!
چیخوں! ڈھونڈوں!
شہر خاموش ہی! گردش، موسم
فاصلے وقت کے محتاج ہیں، پھر میں کس سے
اپنی تکلیف کہوں؟ سب مجھ سے
اس قدر دور ہیں جیسے تارے
کہکشاں دور ہے!(۱۱)

شاعر نے جینے کو نعمت سے تشبیہ دی ہے اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جسم کے ہر حصے پر آخر موت کی کیفیت طاری ہونا ہے۔ ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور ناک حتیٰ کہ جسم کا ہر اعضا آخرش موت کے سبب مٹی ہو جائے گا۔

موسم بدلنے کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور اس کا انتظار ضروری ہے اسی طرح سب لوگ مجھ سے بہت دور ہیں جیسے تارے اور کہکشاں انسان کی پہنچ سے دور ہیں۔ میں اپنی تکلیف کس کو بیان کروں۔ اس پریشانی میں کوئی بھی میرے ساتھ نہیں ہے۔

اس نظم کا تیسرا حصہ نثر کی شکل میں ہے اور اس میں تعلیم کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ ایک غیبی سایہ ہے جو اپنے چہرے کی حرکات و سکنات سے قیدی کو سمجھاتا ہے کہ پڑھ اور سمجھ!

کیونکہ پڑھنے اور سمجھنے سے انسان کو روشنی ملتی ہے۔ جبکہ قیدی درس و تدریس سے بے نور ہے۔ سوچ اور فہم سے محروم ہے۔ اور شاعر سمجھتا ہے کہ تعلیم کے باوجود بھی اس کو خالی بے عمل باتیں نظر آتی ہیں اور روشنی اس سے دور ہے اور کالی راتیں اس کے جیون سے مانوس ہو چکی ہیں۔ چوتھے حصے میں مایوسی چھائی ہوئی نظر آتی ہے اور شاعر نے درس و تدریس کی اہمیت کو نظر انداز کیا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے واضح کیا ہے۔

درس و تدریس سے بے نور ہیں! جملے عاری
فہم محروم ہے! پڑھ لوں: اشرف
حق کے اوصاف کی تلقین ہے۔۔۔۔۔۔، خالی باتیں

موت کا لفظ لکھا ہے! ظالم

علم بھی ظلم ہے![۱۲]

پانچویں حصے کو شاعر نے کورس کے ذریعے ظاہر کیا ہے اس پوری نظم پر موت کا سارا منظر نظر آتا ہے۔ شاعر مایوسی میں کہتا ہے کہ میں کبھی سرو، کبھی موت، کبھی تنہائی اور کبھی سردی کا کڑا دن ہوں۔ میری آواز بلبل کی طرح فریاد کرتی ہے جیسے وہ بہار اور خزاں کی آمد ورفت کی فریاد کرتی ہے۔ سایہ یعنی لڑکا اس قیدی کا سایہ ہے۔ اسی طرح لڑکا کہتا ہے کہ وہ سرو کا سایہ ہے۔ قیدی کہتا ہے کہ وہ بد قسمت ہے اسے کیا پتا کہ سرو کیا ہے اور اس کا سایہ کیا ہے۔ لڑکا قیدی سے کہتا ہے کہ میں تیرے جسم کی تقدیر ہوں اور تیری امید ہوں۔

قیدی کی امید کے دو رخ ہیں ایک بیاباں اور دوسرا گلشن۔ لیکن موت جب ہاتھ پکڑتی ہے تو صحرا اور ریت کو مقدر بنا دیتی ہے۔

نظم کی فارم غیر عجمی اور غیر مانوس ہے۔ اس نظم کا نفسِ مضمون عجمی ہے جس کا ہماری تہذیب وراثت سے گہرا رشتہ ہے۔ یورپی شعری روائیت اور فکری اثرات کے باوجود نقشِ کف پا کی ضمیر عجمی اسلامی تہذیب کی ضمیر ہے۔

چھٹا حصہ نثر کی شکل میں شاعر نے درج کیا ہے اور کورس کو اندھے مردوں کا کورس قرار دیا ہے اور کورس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ساتویں حصے میں شاعر نے شاعرانہ انداز میں روزی کمانے کے لیے سختیاں اور ایک ماہ کے اندر آنے والے واقعات کو تحریر کیا ہے۔

اونچ اور پنچ کے بخشے ہوئے صدمے، پنشن
بینک اور سود کی تفصیل، مصیبت، نقشے
آمد اور خرچ کے آداب، روپے اور پیسے
عصر کے اتنے کئی ایک سے تحفے، اندھے!
قیمتی چیز ہیں![۱۳]

"نقشِ کفِ پا" کے اوزان اور پیراگراف میں انگریزی شاعری کے اثرات ہیں۔ جیسا کہ آٹھویں حصے میں شاعر نے قیدی کی زبانی زندگی پر موت کی سی کیفیت کو خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔ شاعر نے درویشوں کے رقص کی آواز سے موسوم کیا ہے اور یہ نثر کی شکل میں ہے۔ دسویں حصہ میں کورس کی زبانی جیلانی کامران نے جسم کی قید کو شاعرانہ انداز میں تحریر کیا ہے اور یہ بات شاعر کے الفاظ میں یوں تحریر کی گئی ہے۔ گیارھویں حصے کو شاعر نے درویشوں کے رقص کا نام دیا ہے اور یہ نثر کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے اور اس حصے میں خوشی کا اظہار ملتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے بتایا ہے کہ سب آنکھ کے نور سے محروم ہیں اور امن یافتہ شہر سے بھی محروم ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی محروم ہیں۔ آنکھ کے نور کی ایک رمق بھی باقی نہیں بچی۔ دکھوں اور تکلیفوں نے میری زندگی اندھیروں سے بھر دی ہے۔

بارہویں حصے سے لے کر اٹھارویں حصے تک لڑکے اور قیدی کے ذریعے شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں سایہ اور امید پر روشنی ڈالی ہے۔ سرو کو چونکہ ہمیشہ محبوب کے لمبے قد سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ مجھے بھی سرو کہا جاتا تھا مگر پھر سرو کو بدلتے دیکھ کر میرا نام بھی بدل کر دریا رکھ دیا۔ دریا جیسے بہے جاتا ہے ایسے میں بھی بہے جا رہا ہوں۔ وقت کی موج میری موج ہے۔ اس موج کا راستہ موت ہے۔

میرے بال برف کی طرح سفید ہو چکے ہیں۔ بالوں کی برف نما سفیدی اور آنکھوں سے محرومیوں کی جھلک سب میرے چہرے پہ عیاں ہے۔ اب موت ہی میری منزل ہے یہی میری تقدیر ہے جبکہ روز کا جینا میری تضحیک ہے۔ شاعر نے امید کے دو رخ کو خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔ بیسویں حصے میں شاعر نے صحرا کو جسم اور جان کے روپے سے تشبیہ دی ہے۔ اکیسویں حصے میں شاعر نے مایوسانہ اور قنوطیت پسند لہجہ اختیار کیا ہے اور اس پورے حصے پر موت کی بازیافت ہے۔ نظم "نقش کف پا" کے تئیسویں حصے میں شاعر نے انسانی خواہشات کو جو کہ ہر ایک انسان کے اندر موجود ہوتی ہیں ان کو بڑے دلکش اور خوبصورت شاعرانہ انداز میں قلم بند کیا ہے۔ جیسا کہ

اے کاش! میں بادل ہوتا،
بحر کی موج کے آغوش میں گرتا، قطرے
میرے کہنے سے سمندر کے بدن پر گرتے
وہ گہر بنتے، میں قیمت بنتا!

جوق در جوق خریدار گزرتے، مجھ سے
تاب اور رنگ کی باتیں کرتے!
اور میں ان سے دل و جاں کی باتیں کرتا
اور یہ کہتا، مجھے مفت خریدو! (۱۴)

انسان کی خواہشات اسے بہت اونچی اڑان اڑاتی ہیں۔ جیسا کہ قیدی کی خواہش ہے کہ کاش وہ وہ بادل کی طرح برس کر بحر کی کی آغوش میں گرتا اور اس کے قطرے جب سمندر کے بدن پر گرتے تو وہ گہر بن جاتے اور میں قیمت بنتا۔ جوق در جوق میرے بیش بہا حسن و قیمت کی باتیں چلتیں اور میرے تاب و رنگ کے خریدار بنتے۔ شاعر اس زمیں کی خاک سے اپنا در دبانٹنا چاہتا ہے۔ لیکن آخر کو جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو خواہشات کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا ہے اور انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ شاعر نے غم اور دکھ کو مختلف انداز سے رقم طراز کیا ہے اور اس میں شاعر نے شاعری کی مختلف اصطلاحیں استعمال کی ہیں اس میں غزل کی صنف بھی استعمال کی ہے اس کی وضاحت "نقش کف پا" کے درج ذیل ٹکڑے سے ہوتی ہے:

پھر درویشوں کا رقص نثر کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے نقش کف پا کے چھبیسویں حصے میں اللہ تعالی کے اقتدار اعلیٰ کی بات شاعر نے شاعرانہ اصطلاح استعمال کرتے ہوئے قلم بند کیا ہے۔ چھبیسویں حصہ میں شاعر نے سایہ کے لیے سرو کا لفظ استعمال کیا ہے اور اکثر لوگ سرو کو محبوب خیال کرتے ہیں یعنی محبوب کے قد کو سرو سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن پھر شاعر نے اپنے لیے دریا کا لقب اختیار کیا ہے۔ نظم کے ستائیسویں حصے کا مرکزی خیال موت ہے یعنی شاعر نے موت کو ہی زیادہ ترجیح دی ہے۔ شاعر نے انسانی زندگی کے مختلف مراحل کا ذکر کیا ہے پہلے شاعر نے موت کی تردید میں اشعار درج کئے ہیں:

سن، خیالات کی خوراک نہ بن،
وہم اور فکر کی خوراک نہ بن،
بے سبب موت کی خوراک نہ بن،
راہ کو دیکھ،
اصل شئے عمر ہے،
اصل شئے جسم ہے (۱۵)

شاعر نے اپنی جوانی کا ذکر کیا ہے کہ نہ تو خطاکار ہے نہ جفاکار ہے اور نہ ہی غلط کار ہے اس لیے خوش ہے۔ لکھتے ہیں کہ پچیس برس جوانی کے گزارے جس میں کالج کی زندگی، ناچ گانا اور رنگ برے دن رات گزارے۔ شاعر نے بتایا ہے کہ لڑکیاں بھی بہت غور سے دیکھتے تھے۔ پھر لکھتے ہیں کہ پچاس برس جشن میں کاٹے اور دفتر اور رزق اور عیش میں رات دن گزارے۔

اس کے بعد روزی اور رزق کے تلاش میں انسان جس طرح دن رات سرگرداں رہتا ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد جب انسان بڑھاپے میں آتا ہے تو اسلام کے تبلیغ میں اپنا زیادہ وقت صرف کرتا ہے اس کا ذکر جیلانی کامران نے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔

اور اسلام کی تبلیغ کے خاطر زیور،
کچھ روپے وقف کئے! اور راتیں
دین اسلام کی تلقین میں کاٹیں-! ایسے
جسم اور زیست کی بنیاد پہ خلد اور دوزخ
مقبرے نصب کئے! (۱۶)

اس نظم کے اٹھائیسویں حصے میں "سجدہ" کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے اور سجدہ انسان کرتے ہیں اسی لیے کیونکہ انسان کو اللہ تعالی نے مٹی سی پیدا کیا ہے ایسے ہی جب انسان اللہ کے حضور سجدہ کرتا ہے تو شاعر کہتا ہے کہ سجدہ بھی پانی، ہوا اور خاک سے بنا ہے۔ پھر شاعر نے اس حصے میں موت کا ذکر کیا ہے جیسا کہ

جسم اور زیست کسے کہتے ہیں؟ سجدہ کیا ہے؟
میرا اور موت کا رشتہ کیا ہے؟ (۱۷)

انتیسویں حصے میں شاعر نے تقدیر کو ہی موضوع سخن بنایا ہے۔ جیسا کہ

میری تقدیر سے پیوست ہیں، کیونکہ ۔میں، تو،
ایک ہی جسم کے دو روپ ہیں! تجھ سے ماضی،
مجھ میں امروز ہے! دونوں مل کر (۱۸)

تیسویں حصے میں "نقش کف پا" کے قیدی کی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے شاعر نے قید کے لفظ کو خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔

رات کی قید میں ہیں۔
موت کی قید میں ہیں۔
خاک اور جسم کے قیدی ہیں، بتادے ہم سب
آنکھ اور ذہن کے قیدی ہیں! (۱۹)

نظم کے اکتیسویں حصے میں شاعر نے موت کا ذکر کیا ہے جیسا کہ شروع میں تحریر کیا گیا ہے کہ اس ساری نظم پر موت کے سائے کی گردش ہے اس طرح شاعر نے اس حصے میں بھی موت کے فلسفے کو شاعرانہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ

ان گنت بار! کئی بار! مہینوں، برسوں
زیست اور موت کا چکر! جینا
موت اور آگ کی خوراک میں ڈھلنا، مرنا،
اور پھر زیست کی تکلیف اٹھانا! خود کو
ان سوالات کی خوراک بنانا۔۔۔۔۔۔۔ کیا ہے؟
زیست اور موت خدائی کیا ہیں؟ (۲۰)

بتیسویں حصے میں جیلانی کامران نے امن کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ

امن کے شہر کے مینار نئے ہیں، جن پر
دھوپ کا تاج ہے، اس دھوپ کا جس سے خرمن
آبرو پاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور لوگ خوشی کے تحفے
ساتھ لے جاتے ہیں! (۲۱)

تنتیسویں حصے کو مختلف اجزاء میں جیلانی کامران نے تحریر کیا ہے علم کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے حتیٰ کہ سرو کے درخت کا سایہ بھی علم سے آگاہی رکھتا ہے۔ اس حصے کے دوسرے اجزاء میں شاعر نے انسانی زندگی کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد والے اجزاء میں جسم اور سرو کا باہمی تعلق پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ

سرو کی شاخ پہن لی، اپنے
جسم کو سرو کہا۔ اور دل کے
خاک کو گیت کہے۔ کہ دونوں
خاک اور سرو مرا جسم تھے، یوں میں سب کی (۲۲)

اس حصے کے اگلے جز میں امن و سلامتی کی غارت گہری کی عکاسی خوبصورت اور دل کش انداز میں کی گئی ہے۔ اگلے جز میں شاعر نے ساری زندگی کی مختلف حالتیں تحریر کی ہیں۔ جیسا کہ اس ٹکڑے سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے:

تین سو سال گئے، لوگ جیئے، لوگ مرے،
بشہابشت یہی کھیل رہا۔ لوگ اٹھے،

ان کی اولاد اٹھی، خاک اڑی، تخت گرے،

تخت اور تاج گرے، ظلم بڑھا، رات بڑھی،

رات کے ساتھ کئی ظلم اڑھے، اور بوڑھے

وقت نے ظلم کی روداد لکھی، اور کس کو

اس جگہ دفن کیا- سروجہاں ہے، جس کی

کوکھ میں میں تھا![۲۳]

چونتیسویں حصے میں شعور اور آگاہی کے معانی ومفہوم کو جیلانی کامران نے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اس کی وضاحت نظم کے اس ٹکڑے سے ہوتی ہے:

تیری یاداشت کی تحریر ہے؟ ہم سے کہہ دے

ہم فقط آنکھ کے اندھے ہیں مگر ہم اپنے

کان سے وقت کو سن سکتے ہیں!

ہم ہر اک بات کو سن سکتے ہیں،

وقت کی چاپ کو سن سکتے ہیں،

یعنی ہر بات سمجھ سکتے ہیں-[۲۴]

شاعرنے لاعلمی کا اظہار شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔ اس لاعلمی کا اظہار جیلانی کامران نے اس انداز میں اپنی اس نظم میں کیا ہے۔

جو مرے جسم کا اک روپ ہے، اپنے عالم

اپنی تقدیر سے مجبور ہے، محکوم ہے، اس کی آنکھیں

زیست کے علم سے محروم ہیں، ایسے تم بھی[۲۵]

جیلانی کامران نے جرم کو فلسفیانہ انداز سے تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔

جرم کیا جرم ہے؟ اے جسم کے خالق! میری

قید کیا قید ہے؟ کسی سے پوچھوں؟

میں سزایاب ہوں؟ کس سے پوچھوں؟

کیوں سزایاب ہوں؟ کس سے پوچھوں؟

دن مرے بخت کا آشوب ہیں، میری آنکھیں[۲۶]

مزید وضاحت یوں کی ہے:

جرم کی قبر کا تعویذ ہے- کہہ دو، میرا

سانس بھی جرم ہے، یہ جسم بھی، دل بھی، میری

آنکھ بھی جرم ہے!

خودکشی جسم نے پہنی ہے، ہوا نے، میں نے![۲۷]

سنتیسویں حصے میں پھر شاعر جیلانی کامران نے سرو اور جسم کے درمیان تعلق کو ظاہر کیا ہے جیسا کہ جیلانی کامران کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے

اے مرے جسم، بتادے

اے مری آنکھ، بتادے

اے مری خاکن بتادے ہم سب

جسم کو ڈھونڈ رہے ہیں،

سرو کو ڈھونڈ رہے ہیں

راہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ (۲۸)

اس حصے میں بھی سرو اور ریت کو شاعرانہ زبان میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ شاعر نے نثر کی زبان میں بیان کیا ہے لڑکا سرو کے درخت کے سامنے عبادت کے انداز میں جھکتا ہے۔ سرو کے درخت کی حیثیات کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سرو کی شاخ میں ہر چیز ہے، صحرا الشکر

تاج اور تخت، زمیں اور گلشن

حادثے خواب تلاطم -ہم سب

اور میں خود ہوں (۲۹)

"نقش کف پا" کا اکتالیسواں حصہ نثر کی شکل میں ہے اس حصے میں اندھے مردوں کا کورس لڑکے کے ہاتھ میں قیدی حیرانگی سے لڑکے کی طرف دیکھتا ہے رقص والے درویش بھی تذبذب میں ہیں اور رقص میں آہستہ آہستہ حصہ لے رہے ہیں۔ بیالیسویں حصے میں بخت اور تقدیر پر جیلانی کامران نے روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ نظم کے اس ٹکڑے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔

میری تقدیر سے کہہ !لوگ سنیں، میں سمجھوں،

اور سب لوگ مرے لفظ پڑھیں اور سمجھیں،

تو ہر اک چیز ہے باقی سب کچھ

آنکھ اور ذہن کا اسرار ہے! (۳۰)

تنتالیسواں حصہ پھر نثر پر مشتمل ہے اس حصے میں لڑکا سرو کے گرد طواف کی شکل میں سات چکر لگاتا ہے۔ دل کی چیخ وپکار کو شاعر نے اپنی شاعرانہ اور ساحرانہ زبان میں خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ

چیخ، دل چیخ! یہی راہ ہے جس پر دھڑکن

دکھ دے تھم جاتی ہے، اور آنند کے سارے تحفے

ہونٹ سی لیتے ہیں، -وہ ہاتھ، جو میری نسبت

ناپسند کرتا ہے، رکتا ہے (۳۱)

پنتالیسواں حصہ شاعر نے پھر نثر کے صورت میں تحریر کیا ہے اس میں شاعر نے ایک عورت کے سایہ کو بھی شامل کیا ہے۔ جیسا کہ اس اقتباس سے ظاہر ہے:

"دفعتاً سرو کے درخت کے سائے میں سے ایک عورت کا سایہ ظاہر ہوتا ہے، عورت کا چہرہ نقاب میں ہے، اس کا لباس پیتلے رنگ کا ہے، اس کے نمودار ہوتے ہیں روشنی پھیلنے لگتی ہے اور سرو کی شاخیں مرجھانے لگتی ہیں، صحرا کی وسعت بڑھ جاتی ہے" (۳۲)

چھیالیسویں حصہ میں شاعر جیلانی کامران نے بڑی محبت اور احترام کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

تو مرا جسم ہے اور موت بھی ہے،

تو مرا نام ہے اور لفظ بھی ہے، راز بھی ہے،

تو مرے خون کی تحریر بھی اور چیخ بھی ہے

تو ہر اک چیز بھی ہے! (۳۳)

سنتالیسویں حصے میں شاعر نے امن کے پہلو پر بڑے اچھے انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔

امن کا شہر کہاں ہے؟
نور کا شہر کہاں ہے؟
خلد کا شہر کہاں ہے ہم سب
آنکھ کے نور سے محروم ہیں
امن کے شہر کو ہم آنکھ سے دیکھیں، لیکن
آنکھ کے ساتھ ہمیں کون دکھائے؟ سب کی
آنکھ پر رات کی تصویر ہے، پھر ہم کیسے
جیتے جی راہ کو دیکھیں! آندھی
سب طرف ناچ چکی ہے، پوچھیں
کسی سے ہم پوچھ کے اس راہ کو پائیں جس پر
امن کے شہر کی بنیاد ہے جس پر دنیا
امن کے نام سے مانوس ہے![۳۴]

اڑتالیسویں حصے میں نظم کے تمام کردار خوشی سے رقص میں شامل ہوگئے ہیں:

ڈوب! اے ظلم کے بدبخت ستارے اپنی
تیرگی روک! بیابان کے رہزن! اپنی
دسترس امن کی تحریک بنا، کہ جس کی
منتظر وقت کی رفتار تھی اس کا خیمہ
کوہ و میدان کی زینت ہے! سفر کے ساتھی
جب گزر کرتے ہیں اس کا چرچا[۳۵]

آخری حصے کو مصنف کے کردار سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس نظم کا خاتمہ شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں کیا۔ اس میں رات کے دکھ اور سو سال کے غم کا ذکر کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵، ص ۱۴۷
۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، بخاری پرنٹنگ پریس، 2006ء، ص 520
۳۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، فن اور خالق، دستاویز مطبوعات لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۵۱
۴۔ احتشام علی، جدید اردو نظم میں عصری حسیّت، سانجھ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۲
۵۔ کامران جیلانی، چھوٹی بڑی نظمیں، دیباچہ، کتابیات لاہور،، ۱۹۶۷، ص ۱۶
۶۔ سکندر حیات میکن، ڈاکٹر، اردو شاعری پر تحقیق آزادی کے بعد، مضمون عارفہ شہزاد، جدید اردو شاعری میں کرداری نظمیں، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2017ء ص 161
۷۔ طارق ہاشمی، ڈاکٹر، جدید نظم کی تیسری جہت، لاہور: دستاویز مطبوعات، 2003ء ص 118
۸۔ رشید امجد، نئی نظم کی باتیں، مشمولہ، پاکستانی ادب تنقید، سید احمد شہید پرنٹنگ پریس، گوالمنڈی، راولپنڈی ۱۹۸۶، ص ۵۱۳
۹۔ جیلانی کامران، نقشِ کف، لاہور: مکتبہ ادب جدید، ۱۹۶۲ء، ص 2
۱۰۔ ایضاً، ص ۳
۱۱۔ ایضاً، ص ۴
۱۲۔ ایضاً، ص ۴

۱۳۔ ایضاً،ص۸
۱۴۔ ایضاً،ص۱۳
۱۵۔ ایضاً،ص ۱۸
۱۶۔ ایضاً،ص۲۰
۱۷۔ ایضاً،ص۲۱
۱۸۔ ایضاً،ص۲۲
۱۹۔ ایضاً،ص۲۴
۲۰۔ ایضاً،ص۲۵
۲۱۔ ایضاً،ص۳۰
۲۲۔ ایضاً،ص۳۰
۲۳۔ ایضاً،ص۳۰
۲۴۔ ایضاً،ص۳۲
۲۵۔ ایضاً،ص۳۳
۲۶۔ ایضاً،ص۳۳
۲۷۔ ایضاً،ص۳۵
۲۸۔ ایضاً،ص۳۶
۲۹۔ ایضاً،ص۳۸
۳۰۔ ایضاً،ص۴۰
۳۱۔ ایضاً،ص۴۱
۳۲۔ ایضاً،ص۴۲
۳۳۔ ایضاً،ص۴۲
۳۴۔ ایضاً،ص۴۳۔۴۴
۳۵۔ ایضاً،ص۴۸